

Darveshi Dhamal

[ہمارے گھر کا ماحول بہت اچھا تھا - والدین ہمارے ساتھ دوستوں کی طرح رہتے تھے میرے اپنے بھائی کے ساتھ دوستی تھی ہم ایک دوسرے کے قریب تھے کیونکہ گھر میں ہم چار ہی تو لوگ تھے - اپنے دل کی باتیں بھی میرے ساتھ کر لیا کرتا تھا۔ ان دنوں ہم ایک چھوٹے سے شہر میں رہا کرتے تھے۔ یہاں کے کالج میں میرے بھائی کا دل نہ لگا تو والد نے ان کو قریبی شہر کے ایک بڑے کا لچ میں داخل کرادیا، جہاں ہو سٹل بھی تھا۔ اب وہ ماہ دو ماہ بعد گھر آئے۔ ایک روز اچانک دس روز بعد ہی آگئے۔ امی نے پوچھا۔ خیر تو بے عادل بیٹے؟ ابھی گئے تھے اور ابھی آگئے۔ کہا۔ امی جان ہو سٹل کا کھانا اچھا نہیں لگتا۔ معدے میں دردسار بننے لگا ہے۔ وہ بولیں۔ ارے میاں تمہاری بھی کیا بات ہے۔ کبھی اپنے شہر کا کالج ٹھیک نہیں لگتا تو کبھی لاہور کے ہوسٹل کا کھانا اچھا نہیں لگتا۔ یوں کہونا کہ پڑھائی میں جی نہیں لگتا۔ وہی بات ہو گئی کہ ناچ نہ جانے انگن ٹیڑھا۔ والدہ نے بہ مثال بس ویسے ہی بول دی لیکن مجھے لگا عادل بھائی حقیقتاً پریشان ہیں۔ ابھی میں ان کے چہرے پر موجود پریشان کن تحریر پڑھ ہی رہی تھی کہ وہ میرے پاس آگئے۔ شام کا وقت تھا اور میں چاول صاف کر رہی تھی۔ کہنے لگے۔ گڑیا ایک بات بتاؤں! امی کومت بتانا۔ ہاں بھی بتاؤ میں امی کو نہیں بتاؤں گی۔ بات کچھ عجیب سی ہے۔ پتا نہیں تم کو بتانی بھی چاہیے یا نہیں لیکن یہ سچ بات ہے کہ میرے ہوسٹل میں جن آگئے ہیں، اس لئے میں گھر آگیا ہوں۔ دراصل میں ان سے الجھنا نہ چاہتا تھا۔ عادل بھائی کی بات سن کر میری ہنسی نکل گئی۔ میں نے کہا۔ میت بناؤ۔ تم وہاں ہوں یہ سب جن وں، تمہارا وہاں دل ہی نہیں لگ رہا تھا، اس لئے آگئے ہو۔ اب بھانے مت بناؤ۔ تم وہاں پڑھنے گئے ہو، دل لگانے نہیں گئے۔ اب پڑھنا تو ہے۔ وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ، میری مانو تو کل ہی واپس چلے جاؤ ورنہ ابا نارض ہوں گے کیونکہ تم نے ہی ضد کی تھی لاہور جا کر پڑھنے کی۔ بات یہ ہے گڑیا کہ میرے روم میٹ نے مجھے عجیب سا واقعہ سنا یا ہے۔ اس نے مجھے میرے دوست کی اب بینی، اس طرح سنائی ہے کہ اس کے جانے کے بعد سے مجھ کو اس کمرے میں وحشت ہونے لگی ہے، تب ہی میں چلا آیا ہوں۔ واقعہ تو بتاؤ۔ میں نے اشتیاق سے سوال کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا دوست زمان جو چوئیاں کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا ہے، اس کے گاؤں کے نزدیک ایک پیٹری پر ایک بزرگ کامزار ہے۔ اس مزار پر ہر جمعرات کو عرس ہوتا تھا۔ عقیدت مند لوگ آتے، قوالیاں ہوتیں، دھمال پڑتے۔ یہ یہاں کا رواج تھا۔ ایک دن زمان بھی اپنے دوست کے ہمراہ وہاں قوالی سننے گیا۔ اس کا دوست ساجد ایک خوبرو نوجوان تھا جس کا قد نکلتا ہوا، رنگ گورا اور بال گھنگریالے تھے۔ وہ واقعی حسین لڑکا تھا۔ اس کا کسرتی بدن اور صحت مند سراپاد کچھ کر شہر کے نوجوان اس پر رشک کرتے تھے۔ ساجد کے دو ہی شوق تھے کبڈی کھیلنا اور دھمال ڈالنا۔ اس کو دھمال پر بڑی مہارت حاصل تھی۔ جب وہ ڈھول کی تھاپ پر تیز تیز رقصاں ہوتا تو دیکھنے والے محو ہو جاتے اور وہ خود بھی مست ہو جاتا۔ ایک دن اس نے کچھ فلندروں کو وہاں دھمال ڈالتے دیکھا تو زمان اور ساجد سے نہ رہا گیواہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ساجد نے تو ایسا کمال دکھایا کہ دیکھنے والے تصویر بن گئے۔ اس نے اس درویشی رقص کو اس محویت سے کیا کہ وہ مست ہو گیا اور اس کو اپنا ہوش ہی نہ رہا۔ رات کو جب یہ دونوں دوست گھر لوٹے تو بے حد تھکے ہوئے تھے۔ آتے ہی لیٹ گئے اور ان کو نیند نے آلیا۔ ساجد اور زمان کے گھر بھی قریب قریب تھے اور یہ بچپن کے ساتھی تھے۔ اظہر نے بتایا صبح میں ساجد کے گھر گیا تو اس کو ہلکا ہلکا بخار تھا۔ ہم نے آج اکٹھے چوئیاں بھی جانا تھا مگر ساجد نے کہا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سارے بدن میں درد ہے۔ میں نے ساجد کو سمجھایا کہ تم وہاں جب رقص کناں ہوتے ہو تو تم کو اپنا ہوش بھی نہیں رہتا۔ تم اس طرح اپنے سے باہر مت ہو جایا کرو۔ کل تم نے جب ان درویشوں کے ساتھ مست ہو کر اور بال کھول کر دھمال ڈالی تو اس کی وجہ سے تم کو بخار ہوا ہے، کیونکہ تم بہت تھک گئے ہو۔ تم خود کو اس قدر کیوں تھکا دیتے ہو؟ اس نے کہا۔ مجھے خبر ہی نہیں رہتی، جب میں دھمال ڈالتا ہوں تو لگتا ہے اس دنیا میں نہیں ہوں بلکہ دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہوں۔ میں اس دن اکیلا ہی چوئیاں چلا گیا جب میں واپس آیا تو امی نے بتایا کہ ساجد کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی اس کی ماں ہمارے گھر تم کو بلانے آئی تھی۔ اب نجانے اس کا کیا حال ہے۔ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا تھا۔ قصہ مختصر، زمان اپنے دوست کے گھر گیا۔ اس کی حالت عجب تھی۔ سر کے بال کھڑے تھے اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ حسین چہرہ بگڑ گیا تھا اور ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کہ کوئی غیر مرئی طاقت ہے جو اس کو تکلیف دے رہی ہے۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا اور گردن ایک جانب کو مڑی ہوئی تھی۔ زمان کہنے لگا۔ میں ساجد کی صورت دیکھ کر ڈر گیا تھا کیونکہ اس کی شکل اپنی صورت نہ رہی تھی بلکہ کسی اور کی نظر آرہی تھی جو کافی دہشت ناک تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ میرے دوست! کچھ کہو تو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو وہ کچھ نہ بولا پھر زمین پر لیٹ کر تڑپنے لگا۔ اس نے کہا۔ یار پتا نہیں مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے میرے اندر کوئی اور سما گیا ہے جو مجھے کھینچ اور توڑ مروڑ رہا ہے۔ اس کے بعد اس کی آواز بدلنے لگی۔ اس کی آنکھیں سرخی سے دبک رہی تھیں۔ وہ کسی اور زبان میں گفتگو کر نے لگا جو میری سمجھ میں نہ آرہی تھی۔ میں نے چاہا کہ اس کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں مگر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ چلنے کے قابل نہ بھی تھا۔ بقول زمان، میں خود ہی ڈاکٹر کے کلینک چلا گیا اور اس کو گھر لے آیا۔ جب میں اور ڈاکٹر ساجد کے پاس پہنچے وہ سو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ اب اس کو مت جگاؤ، بے آرام نہ کرو۔ میں کچھ دوائیاں لکھ دیتا ہوں، جاگے تو کھلا دینا پھر میرے کلینک پر لے آنا۔ اس واقعہ کے دو ماہ تک ساجد ٹھیک ٹھاک رہا۔ ایک دن جب ہم ایک ویران جگہ دوست کا پلاٹ دیکھنے گئے تو ساجد نے ہمیں حیران کر دیا۔ ہمارے ایک دوست شریف نے آبادی سے کچھ دور نئی کالونی میں پلاٹ خریدا تھا۔ یہ کالونی غیر آباد تھی۔ دوسرا دوست اکرم بھی ایک پلاٹ یہاں پر لینا چاہتا تھا۔ شریف ہم کو جگہ دکھانے لے گیا تھا۔ وہاں سب تو پلاٹ دیکھنے میں محو ہو گئے، مگر ساجد سامنے میدان کی سمت دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اچانک چمک آگئی اور وہ کہنے لگا۔ دیکھو وہ سامنے کیا شاندار تقریب ہو رہی ہے۔ ہم نے دیکھا تو کسی کو چٹیل میدان کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ شام کا وقت تھا سب نے سمجھا کہ اس کو وہم ہو رہا ہے۔ یار ساجد کیا کچھ رہے ہو؟ کسی اور کو تو وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا۔ وہ کہنے لگا۔ اتنے سارے لوگ ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے خوبصورت زرق برق کیڑے پہنے ہوئے ہیں اور تم لوگوں کو وہاں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا؟ وہاں شادی ہو رہی ہے۔ آسمان تک روشنی کی چمک آتے ہوئے ہیں۔ تینوں دوست حیرت سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ شریف بولا۔ شاید یہ پاگل ہو گیا ہے۔ نہیں یہ پاگل نہیں ہے۔ میں اس کی پہلے کیفیت دیکھ چکا ہوں۔ ساجد سے کہا۔ یار بڑی بھوک لگی ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس شادی میں ہم کو بھی تھوڑا سا کھانے کو مل جائے۔ شریف نے کہا۔ وہ سامنے دیگیں پڑی ہیں۔ اچھا ٹھہرو، میں لاتا ہوں۔ ساجد نے جواب دیا۔ وہ چند قدم گیا تھا کہ ہم نے دیکھا وہ واپس آ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ پلاؤ

گئے۔ کھانے کی تھا اور اس پر گوشت کے بڑے بڑے روسٹ پارچے رکھے ہوئے تھے۔ سب ششدر رہ گئے۔ سبھی ڈر بھری پرات وہیں چھوڑ کر تینوں دوست گاڑی میں بیٹھ کر گھر آگئے۔ ساجد کے گھر والے متعدد ڈاکٹروں کے پاس لے گئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جوں جوں علاج کرواتے، اس کی حالت زیادہ بگڑتی جاتی۔ پھر ایک بزرگ سے مشورہ کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ ڈاکٹر سے اس کا علاج کرانے کے ساتھ کسی ایسے عالم کے پاس بھی لے جائے جو عبادت گزار ہو، اس سے دعا کرائیں۔ انہوں نے ایک نیک بزرگ کا پتا بھی دیا۔ ساجد کے بھائی اس کو وہاں لے گئے۔ تقریب سات روز وہ اس عالم دین کے گھر پر مہمان رہے اور اس پر آیات قرآنی دم کرواتے رہے۔ تب عالم صاحب نے خواب دیکھا اور بتایا کہ جب یہ مزار پر دھمال کر رہا تھا تو وہاں دو نین عور تیں بھی تھیں۔ ایک بڑی بہن جس کا شوہر بھی ساتھ تھا اور دوسری چھوٹی جو دھمال کے وقت قریب کھڑی تھی۔ اس کو ماجد کا دھمال اتنا چھالگا کہ وہ اس کے قرب کی متمنی ہو گئی۔ بڑی بہن کے پاس علم ہے، اسی وجہ سے چھوٹی بہن اس سے ڈرتی ہے۔ کبھی کبھی یہ تینوں جب ماجد کے قریب ہوتے ہیں تو اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ عالم صاحب نے مسلسل قرآنی آیات پڑھیں اور ماجد پر دم کرتے رہے۔ اب ماجد کی حالت سنبھل گئی۔ جب زمان نے یہ باتیں میرے بھائی سے کیں تب سے اس کا دل ہوسٹل کے کمرے میں نہ لگ رہا تھا۔ تاہم اس نے زمان کی باتوں کا مذاق اڑایا اور کہا کہ تم نے من گھڑت قصہ بنایا ہے اور میں اس پر یقین نہیں کرنے والا۔ تب زمان نے بھائی سے کہا کہ تم میرے ساتھ گاؤں چلنا، میں تم کو ساجد سے ملوادوں گا۔ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ میں زمان کے ساتھ اس کے گاؤں چلا گیا۔ ساجد کو دیکھا تو افسوس ہوا اس کی حالت درست نہ تھی۔ اسی دن جمعرات کی شام یہ لوگ وہاں دھمال دیکھنے گئے۔ تبھی ساجد بولا کہ وہ دیکھو، وہ رہے۔ سب نے ایک سمت دیکھا، جہاں عور توں کا رش تھا۔ وہ نہایت حسین لڑکی تھی، سبز رنگ کے کپڑے پہنے تھی۔ ایسی حسین لڑکی میں نے پہلے بھی نہ دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی، جس کے منہ پر چادر تھی۔ سبز کپڑوں والی لڑکی بار بار ساجد کو کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پر کسی نے حلوے کا ڈبہ لگا دیا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کو دوستوں نے کہا تھا کہ یار حلوہ تو کھلاؤ۔ ہمارا حلوہ کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ اب سبھی اس ڈبے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کہاں سے آگیا؟ ساجد کے ہاتھ تو خالی تھے۔ بھیڑ میں دیکھا تو وہ حسین عورت تیں بھی غائب تھیں۔ بھائی کیا آپ نے حلوہ کھایا؟ نہیں گڑیا، میں نے تو چکھا بھی نہیں اور وہاں سے بھاگ آیا۔ بو سٹل گیا تو دیکھا کہ وہاں بھی حلوے کا ڈبہ بار کھا ہے جبکہ جاتے ہوئے کمرہ لاک کر کے گیا تھا۔ میں خوف زدہ ہو کر سیدھا بس اڈے چلا گیا اور گھر آ گیا ہوں۔ اس کے بعد میرا بھائی اس ہوسٹل نہ گیا۔ خدا جانے بھیانے یہ داستان گھڑ کر سنائی تھی یا واقعی وہ سچ کہہ رہے تھے؟ یہ راز انہوں نے آج تک نہیں بتایا۔ جب بھی اس سے پوچھا تو یہ جواب دیا کہ ہاں یہ واقعہ سچ ہی تھا۔ اس کے بعد بھائی نے لاہور والا کالج چھوڑ دیا اور واپس آکر اپنے شہر کے کالج میں داخلہ لے لیا اور تعلیم مکمل کی۔ ابو تو آج تک کہتے ہیں کہ عادل نے گھر سے دوری کو برداشت نہ کرتے ہوئے یہ داستان گھڑی تھی ورنہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اس واقعے کے بعد غیر ماورائی طاقتوں پر میرا اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا کیونکہ میرا بھائی اتنا ڈریوک نہ تھا کہ وہ یہ ابا جان سے نہ کہہ پاتا کہ میں گھر سے دور نہیں رہ سکتا اور نہ میرے ابا جی اتنے ظالم تھے کہ وہ بھائی کو ان کی مرضی کے بغیر زبردستی ہوسٹل بھیجتے!]